مولانا عبدالمالک طاہر*

یہ جواب نہیں ہے

ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ (مئی/جون ۲۰۰۹ء) کے صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۸ پر حافظ زبیر صاحب کا مضمون شائع ہوا جو انہوں نے راقم کے مضمون بعنوان ''جہادی تنظیموں کے تنقیدی جائزہ پر ایک نظر'' (الشریعہ، مارچ ۲۰۰۹ء، صفحہ ۴۳ تا ۴۷) میں اٹھائے جانے والے اعتراضات وسوالات کے جواب کے طور پر لکھا ہے۔ مضمون کا عنوان ''عبدالمالک طاہر کے اعتراضات کے جواب میں'' دیکھ کر یہ گمان ہوا کہ راقم کی طرف سے اپنے مضمون میں اٹھائے جانے والے اعتراضات کے جوابات ہوں گے، لیکن عنوان اور نفس مضمون کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے جیسا کہ جناب کا (اپنی تحریروں کی روشنی میں) جہاد ومجاہدین کے ساتھ ہے۔ جناب نے منطقی انداز کو اختیار کرنے کی کوشش میں خلط مبحث کی طرف پہلا قدم اٹھایا ہے جو بحث کے نتیجہ خیز ہونے میں نہ صرف مانع ہوگا بلکہ ایسی بحث بے فائدہ اور شاید مضر بھی ہو۔ لہٰذا راقم اولاً اپنے سابقہ مضمون (مارچ ۲۰۰۹ء) کے سوالات واعتراضات کا ذکر ضروری سمجھتا ہے تاکہ قارئین کو علم ہو کہ یہ راقم کے سوالات کے جواب نہیں بلکہ مزید اعتراضات ہیں۔

سوالات کچھ یوں ہیں:

اول: جناب نے اپنے مضمون بعنوان ''پاکستان کی جہادی تحریکیں: ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' (الشریعہ نومبر/دسمبر ۲۰۰۸ء) میں لکھا ہے کہ لاعلم، سیدھے سادھے جذباتی نوجوانوں کے لیے جہادی تحریکوں کے معسکرات خرکار کیمپ ثابت ہوتے ہیں۔ جناب نے ان مجبور مجاہدین کے کچھ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ اس پر سوال یہ تھا کہ ان خرکار کیمپوں کی لسٹ اور ان مجبور مجاہدین کے کوائف قوم کے سامنے لائیں تاکہ قارئین کو حقائق کا علم ہو سکے۔ جواب کے جلی عنوان کے باوصف اس سوال پر جناب کی نظر کرم نہیں ہوتی۔

ثانی: آپ نے لکھا کہ روس کو افغان جہاد میں شکست مجاہدین نے نہیں بلکہ امریکہ وپاکستان نے دی۔ اس پر راقم نے تین سوالات کیے تھے۔

(الف) اس بات کا ثبوت کہ امریکہ وپاکستان کا عمل جارحیت کے کتنے سال بعد ہوا تھا؟

(ب) اس دخل سے قبل جنگی صورت حال کیا تھی؟

---

*مدرس جامعہ فاروقیہ، شرقپور روڈ، شیخوپورہ

(ج) امریکی و پاکستانی عمل دخل کس نوعیت کا تھا؟

ثالث: آپ نے جہاد کو نماز پر قیاس کیا۔ اس پر سوال تھا کہ

(الف) ایسا جہاد جس میں تمام مسلمانوں پر صرف لڑنا ہی فرض ہو، مسلسل کیسے چلے گا؟

(ب) طبعی ضروریات کا نظام کیونکر چلے گا؟

(ج) نئے افراد کی ذہن سازی و تربیت کے بغیر ایک مکمل نظام کتنا عرصہ چل سکے گا؟

رابع: حافظ صاحب نے بعض مفروضوں (یا جزوی واقعات) کو بنیاد بنا کر انتہا پسندانہ رائے قائم کرنے میں عجلت کا مظاہرہ کیا اور ثبوت طلب کرنے پر جوابی تحریر میں کسی قسم کی شہادت پیش کرنے کی بجائے مزید سوالات کے ضمن میں پھر وہی لہجہ اختیار کیا جس میں مجاہدین کے طریقہ کار پر تنقید کی بجائے جہاد سے تنفر زیادہ نظر آ رہا ہے۔

خامس: زبیر صاحب کے مطابق غیر سرکاری جہاد سے کفار کو شکست دینا ناممکن ہے، جب کہ امریکی نمائندے مارک اسمتھ سمیت دیگر عسکری کمانڈروں نے اپنی شکست تسلیم کی ہے۔ ان مبتلیٰ بہ امریکی افواج کی (اب تک) کی تسلیم شدہ شکست کے مقابلہ میں زبیر صاحب اپنے نظریہ پر کوئی ثبوت پیش کریں۔

سادس: حافظ صاحب نے اپنے مضمون میں علت قتال ظلم کو قرار دیا۔ اس پر سوال تھا کہ بالفرض اگر کوئی کفریہ اسٹیٹ غیر ظالم ہو تو اس کے خلاف جہاد ہوگا کہ نہیں؟

یہ چند سوالات اٹھائے گئے تھے جس پر حافظ صاحب نے جواب دینے کی بجائے بحث کا رخ دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کی ہے۔ کاش! جواب والے جلی عنوان کی طرح مضمون کے اندر جوابات بھی اسی تناسب کے ساتھ ہوتے۔ گزارش ہے کہ ان سوالات کی طرف اور اپنے جوابی مضمون کی طرف نظر فرمائیں۔

جہاں تک حافظ صاحب کے مضمون (بعنوان ''عبد المالک طاہر کے اعتراضات کے جواب میں''، مئی/جون ۲۰۰۹ء) میں اٹھائے گئے سوالات کا تعلق ہے تو ان کا جواب حوالہ قلم کرنے سے قبل عرض ہے کہ آئندہ بحث میں اگر محترم کا یہی طرز (اعتراض برائے اعتراض، جواب کے نام پر بھی سوال) رہا تو بندہ کے لیے قارئین کے وقت اور الشریعہ کے صفحات کی قدر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایسی بے نتیجہ بحث کو جاری رکھنا مشکل ہوگا۔

اب الشریعہ مئی/جون ۲۰۰۹ء کے شمارے میں اٹھائے گئے سوالات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

سوال نمبر ۱: موجودہ حالات میں جہاد فرض عین ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو جہادی تحریکوں کے امراء و مسئولین تو قتال نہیں کر رہے۔ (الشریعہ مئی/جون ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۵)

اس سوال کا منشا اور اس کی تفصیل میں چھپے استہزا پر مبنی اعتراضات درحقیقت جہاد کی اقسام، ان اقسام کے حکم اور کس پر کون سا جہاد فرض ہے جیسے امور سے لاعلمی کا نتیجہ ہیں۔ شریعت اسلامیہ کے احکامات کے مطابق جہاں کفار حملہ آور ہیں، ان مسلمانوں پر جہاد (قتال) فرض عین ہے، جب کہ پڑوس کے مسلمانوں پر بدرجہ ضرورت اقرب فالاقرب کے اصول کے تحت ضروریات کا پورا کرنا استطاعت کے مطابق فرض ہے۔ یعنی سب سے اول فرض ان مسلمانوں پر متوجہ ہوتا ہے جن پر کفار نے حملہ کیا ہے۔ ان کی کمزوری کی صورت میں آس پاس والے مسلمانوں پر الاقرب کے اصول کے تحت فرض ہے۔

فقہاے اسلام جہاد کو دو قسموں پر تقسیم کرتے ہیں: اقدامی جہاد جسے جہاد الطلب بھی کہتے ہیں اور دفاعی جہاد جسے جہاد الدفع بھی کہا جاتا ہے۔ اقدامی جہاد یہ ہے کہ از خود مجاہدین کفار پر حملہ کریں۔ دفاعی جہاد کا مطلب ہے کفار کے مسلمان ملک پر حملہ کی صورت میں مسلمانوں کا دفاعی لڑائی کرنا۔ صاحب قدوری اقدامی جہاد کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الجهاد فرض على الكفاية اذا قام به فريق من الناس سقط عن الباقين وان لم يقم به احد اثم جميع الناس بتركه، وقتال الكفار واجب وان لم يبدء ونا (المختصر للقدوری، کتاب السیر، ص۲۲۴)

''جہاد (عمومی حالات میں) فرض کفایہ ہے۔ اگر ایک جماعت اس فرض کو ادا کرے تو باقی کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی اس فرض کفایہ کو ادا نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں گے۔ اگر کفار از خود لڑائی کی ابتدا نہ بھی کریں تو جہاد واجب ہے۔''

کنز الدقائق میں جہاد کی پہلی قسم (اقدامی جہاد) کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

الجهاد فرض كفاية ابتداء فان قام به قوم سقط عن الكل والا اثموا بتركه (ص ۱۹۹)

کنز الدقائق کی مذکورہ بالا عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: "بيان لحكم فرض كفاية" کہ مذکورہ حکم فرض کفایہ جہاد کا حکم ہے۔ (البحر الرائق، کتاب السیر ۵/۷۱)

اقدامی جہاد سے متعلق علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

فيجب على الامام ان يبعث سرية الى دارالحرب كل سنة مرة او مرتين وعلىٰ الرعية اعانته الا اخذ الخراج فان لم يبعث كان كل الاثم عليه۔

یعنی مسلمانوں کے امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دار الحرب کی طرف لشکر روانہ کرے اور رعایا کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں امام کی اعانت کرے سوائے اس کے کہ امام پہلے کفار سے جزیہ وصول کرتا ہو۔ اگر امام لشکر نہ بھیجے تو گناہ کا بوجھ اسی پر ہوگا۔ (حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۳۹)

جہاد کی دوسری قسم یعنی دفاعی جہاد کے متعلق صاحب قدوری فرماتے ہیں:

فان هجم العدو على بلد وجب على جميع المسلمين الدفع تخرج المراة بغير اذن زوجها والعبد بغير اذن الولى (المختصر للقدوری، کتاب السیر ص۲۲۳)

یعنی اگر دشمن مسلمانوں کے کسی علاقے پر حملہ آور ہو تو تمام مسلمانوں پر دفاع (دشمن کو روکنا اور نکالنا) واجب ہے، حتی کہ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر نکلے گا۔

دفاعی جہاد کے متعلق کنز الدقائق کی عبارت یوں ہے:

وفرض عين ان هجم العدو فتخرج المراة والعبد بلا اذن زوجها وسيده (کنز الدقائق، ص۲۰۰)

اسی عبارت پر علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں :

لان المقصود عند ذلك لا يحصل الا باقامة الكل فيفترض على الكل فرض عين فلا يظهر ملك اليمين ورق النكاح فى حقه كما فى الصلوة والصوم۔

آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں:

والمراد هجومه على بلدة معينة من بلاد المسلمين۔ فيجب على جميع اهل تلك البلد، وكذا من يقرب منهم ان لم يكن باهلها كفاية۔ وكذا ممن يقرب ممن يقرب ان لم يكن ممن يقرب كفاية او تكاسلوا عصوا وهكذا الى ان يجب على جميع اهل الاسلام شرقا وغربا كتجهيز الميت والصلوة عليه يجب اولاً على اهل محلية فان لم يفعلوا عجزاً وجب على من بعدهم على ما ذكرنا۔

(البحر الرائق، کتاب السیر ۵/۷۲)

یعنی عورت اور غلام پر خاوند اور آقا کی اجازت اس لیے ضروری نہیں کہ مقصود (دشمن کا دفع کرنا) تمام لوگوں کے جہاد پر نکلے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا سب پر فرض عین قرار دیا جائے گا۔ اس لیے ملک یمین اور رق النکاح کے اثرات اس کے حق میں ظاہر نہ ہوں گے جیسے کہ نماز روزہ ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ حملہ سے مراد کفار کا مسلمانوں کے کسی معینہ شہر پر حملہ کرنا ہے۔ جب ایسی صورت پیدا ہو تو اس شہر کے تمام باشندوں پر دفاع فرض ہوگا۔ یہ لوگ اگر کافی نہ ہوں تو قریب والوں پر فرض ہوگا۔ اگر وہ بھی کفایت نہ کریں یا سستی و نافرمانی کا مظاہرہ کریں تو ان کے قریب والوں پر دشمن کو روکنا فرض ہوگا۔ اس طرح مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہوگا۔ جیسے کہ میت کی تجہیز اور اس پر نماز جنازہ اولاً اس کے محلّہ والوں پر فرض ہے۔ اگر وہ عاجز ہوں تو یہ فریضہ ادا نہ کر سکیں تو ان کے بعد والوں پر ایسے ہی فرض ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

دفاعی جہاد کے متعلق علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اگر دشمن کسی اسلامی سرحد پر حملہ آور ہو جائے تو وہاں بسنے والوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے قرب و جوار والوں پر بھی فرض عین ہو جاتا ہے۔ البتہ جو لوگ ان سے پیچھے دشمن سے فاصلہ پر ہوں، ان پر جہاد اس وقت تک فرض کفایہ ہوتا ہے جب تک ان کی ضرورت نہ پڑے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ان کی ضرورت پڑ جائے۔ مثلاً

۱۔ جس علاقے پر دشمن حملہ آور ہو، اس کے قرب و جوار کے لوگ دشمن کی مزاحمت کرنے میں بے بس ہو جائیں۔

۲۔ یا بے بس تو نہ ہوں، لیکن سستی کی وجہ سے جہاد نہ کریں۔ ایسی صورت میں ان کے اردگرد بسنے والوں پر جہاد نماز روزہ کی طرح فرض عین ہو جاتا ہے اور اسے ترک کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر فرضیت کا دائرہ اس کے بعد اور پھر اس کے بعد والوں تک حسب ضرورت پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی تدریج سے بڑھتے ہوئے ایک (ہی) وقت میں مشرق و مغرب میں بسنے والے ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ (حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۳۸۔ نیز بدائع الصنائع جلد ۷ و فتح القدیر لابن ہمام جلد ۵۔ بحوالہ ''ایمان کے بعد اہم ترین فرض عین'' از عبداللہ عزام)

مذکورہ بالا عبارات میں ہر مسلمان پر جہاد کو فرض عین قرار دینے سے یہ بات ہی واضح ہو جاتی ہے کہ ایسی حالت میں

صرف حکومت پر جہاد فرض قرار دینا اور خود سے فرضیت کو (از خود بلا دلیل شرعی) ساقط کرنا غلط ہے۔ بندہ کے اس دعوی پر بین دلیل شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی مندرجہ ذیل عبارت ہے :

واما قتال الدفع فهو اشد انواع دفع الصائل عن الحرمة والدين فواجب اجماعاً۔ فالعدو الصائل الذى يفسد الدين والدنيا لا شئ اوجب بعد الايمان من دفعه فلا يشترط له شرط (كالزاد والراحلة) بل يدفع بحسب الامكان۔ وقد نص على ذلك العلماء، اصحابنا وغيرهم۔

''اور جہاں تک بات ہے دفاعی قتال کی تو حرمتوں اور دین پر حملہ آور دشمن کو پچھاڑنے کے لیے یہ قتال کی اہم ترین قسم ہے اور اسی لیے اس کے فرض ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ ایمان لانے کے بعد سب سے اہم فریضہ دین و دنیا کو برباد کرنے والے حملہ آور دشمن کو پچھاڑنا ہے۔ اس کی فرضیت کے لیے کوئی شرط نہیں۔ (مثلاً زاد راہ اور سواری موجود ہونے کی شرط بھی ساقط ہو جاتی ہے) بلکہ جس طرح بھی ممکن ہو، دشمن کو پچھاڑا جائے گا۔ یہ بات علماء نے صراحتاً کہی ہے، خواہ وہ ہمارے فقہی مذہب کے علماء ہوں یا دیگر فقہی مذاہب سے ہوں۔'' (الفتاوی الکبریٰ ۵۲۰/۴، بحوالہ ایمان کے بعد اہم ترین فرض عین۔ اردو ترجمہ: الدفاع عن اراضی المسلمین اهم فروض العيان بعد الايمان۔ از ڈاکٹر عبداللہ عزام شہیدؒ)

مذکورہ فقہی عبارات کی روشنی میں جن علاقوں پر کفار حملہ آور ہیں، ان پر جہاد فرض عین ہے۔ اس ادائیگی جہاد میں اصل مقصود تو لوجہ اللہ قتال ہے۔ دیگر تمام شعبے اسی کی مضبوطی اور قیام کے لیے ہوں گے۔ جبکہ دوسرے درجہ میں پڑوسی ممالک کے مسلمانوں پر ان مظلوم مسلمانوں کی مقدور بھر امداد و تعاون واجب ہے۔

پاکستانی جہادی نظم اسی دوسرے درجے میں مقدور بھر امداد و تعاون کی راہ اپنائے ہوئے ہے جو صرف تحریر و تقریر کی حد تک محدود نہ ہے بلکہ عملی قتال بھی ان نظموں کا اصل کام ہے۔ جہاں تک ان کے امراء، مسئولین اور غیر جماعتی حمایتی لوگوں کی کاوشوں، تحریر و تقریر کے ذریعے (جب کہ وہ حقیقتاً جہاد کے لیے مفید بھی ہو نہ کہ تنقید کے نام پر الزامات کا پلندہ) جہاد کی حمایت کے درمیان فرق کا ذکر ہے کہ مسئوول پاکستان میں یہی کام کرے تو جہاد میں شریک کہلائے جب کہ دوسری طرف غیر جماعتی لوگ اسی کام کے کرنے کے باوجود جہاد میں شریک نہ کہلائیں، دونوں میں فرق کیا ہے؟ تو جہادی نظموں کے طریقہ کار پر غور کرنے سے یہ فرق سمجھ آ سکتا ہے۔ کہ جہادی نظم صرف تحریر و تقریر تک اپنی حمایت کو محدود نہیں رکھتے، بلکہ عملی طور پر اصلی میدان (قتال) سے وابستہ ہونے کی بنا پر انہیں قتال کی حقیقی ضروریات کا علم ہوتا ہے اور وہ یہ ضروریات تمام تر مشکلات و مصائب کے باوجود بطریق احسن پوری کرتے ہیں۔ اس میں صرف تجزیہ کے نام پر بے جا تنقید، تبصرہ کے نام پر الزامات یا بند کمرے میں بیٹھ کر مفت مشورے دینے تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ اموال کی بہم ترسیل، افراد کی مسلسل فراہمی اور تمام ضروریات کو مدنظر رکھ کر نظام کار وضع ہوتا ہے جس کی کچھ تفصیل آئندہ سطور میں بھی آ رہی ہے۔ اس کے مقابلے میں حافظ زبیر صاحب جیسے افراد ایک طرف جہاد و مجاہدین کے متعلق ہتک آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں اور دوسری طرف خود کو جہاد میں معروف منوانے پر بھی مصر ہیں۔

حافظ صاحب ہی بتائیں کہ کیا جہادی علماء، مسئولین کی طرح تحریروں سے ہٹ کر بھی ان کی عملی کاوشیں میدان قتال کے لیے ہیں؟ افراد کی فراہمی، امداد کی ترسیل، اپنی تیاری، ضرورت پڑنے پر میدان قتال میں وقتاً فوقتاً خود اترنا اور ان کاموں پر مشتمل کوئی نظام ہے؟ انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی روایت ماضی سے چلی آ رہی ہے۔ حافظ صاحب تو قلم گھسا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی ریت ڈالنا چاہتے ہیں۔ (وہ بھی حمایت کی بجائے مخالفت کر کے)

امید ہے کہ ان سطور سے حافظ صاحب کو اپنے تعاون (وہ بھی اپنے تئیں) اور جہادی علماء وامراء کے تعاون کا فرق معلوم ہو گیا ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ حافظ صاحب جس تنقید کو تعاون ہی کی صورت قرار دے رہے ہیں، اگر فی الواقع وہ مثبت تنقید ہو تو تب بھی صرف تنقید، تائید تحریر وتقریر اور جہادی نظموں سے متعلق افراد کے کام میں بہت بڑا فرق موجود ہے۔ جہادی نظموں کا حدود اربعہ تنظیم اسلامی کی طرح صرف اخبارات، میڈیا کے کیمروں اور ائیر کنڈیشن دفاتر تک محدود نہیں، بلکہ اسلام آباد کے دفاتر اور بعض اداروں سے کشمیر وافغانستان کے پہاڑوں تک اموال ودیگر ضروریات اور افراد کی تسلسل کے ساتھ فراہمی، پاکستان کے سینکڑوں مجاہدین کا ان پہاڑوں پر بکھرا ہوا خوشبو بکھیرتا سرخ لہو، اس بات پر شاہد ہے کہ یہ جماعتیں ممکنہ وسائل کی حد تک مظلوم مسلمانوں کی ضروریات پوری کر رہی ہیں۔ اگر پاکستان کی قومی پالیسی پر بزدلی کی دھند نہ ہوتی تو ان مقدس ہستیوں کے اسمائے گرامی نقل کرتا جو علم کی دنیا سے متعلق ہیں، لیکن ان جماعتوں کے ذریعہ نہ صرف عملی جہاد (قتال) میں شریک رہے بلکہ اب بھی شریک ہیں۔

اپنے مضمون کے نکتہ نمبر ۲ کے ضمن میں حافظ صاحب حق تنقید کا جواز ثابت کر کے اپنی تحریری کاوشوں کو جہاد منوانے پر مصر ہیں۔ (الشریعہ مئی/جون ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۶) یقیناً اہل علم کو جہادی نظموں کے طریق کار پر بحث، تنقید کا حق نہ صرف حاصل ہے بلکہ آئندہ بھی رہے گا، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اہل علم کا فریضہ ہے کہ وہ تنقید وبحث کے ذریعے نظام کار کی خامیوں کی نشاندہی کریں، مفید مشورے دیں اور حق تنقید ادا کریں، لیکن یہ تنقید حقیقی تنقید ہو نہ کہ بلا ثبوت الزامات۔ صرف اتہامات کو تنقید قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسری بات یہ کہ بند کمروں میں محض تحریر، یا جلسوں کی تقاریر اور مثبت تنقید جب کہ اپنی حدود وشرائط کے ساتھ ہو تو یقیناً جہاد ومجاہدین کے ساتھ بہترین تعاون ہے۔ لیکن یہ جہادی نظموں کے کام کے برابر یا فریضہ جہاد کی ادائیگی کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ ان نظموں سے منسلک علماء، امراء کی تحریر، تقریر اور فتاوٰی پر اپنی تنقید کو قیاس کرنا اس لیے بھی محل نظر ہے کہ یہ علماء عظام، مسوولین، مفتیان کرام ایک نظم کے تحت یہاں مامور ہوتے ہیں۔ اگر میدان قتال میں ان کی تشکیل کی جائے تو نہ صرف تیار بلکہ اس کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ مجاہدین کی نصرت میں لگے یہ علماء کرام دھکے اور دھونس سے عملی مجاہدین کے فضائل کو خود پر منطبق کرنے پر اصرار نہیں کرتے بلکہ وہ خود کو ان مجاہدین کے خادم کہلوانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان تحریکوں کی خدمات اور دیگر افراد کی انفرادی کوششوں، تعاون اور مشاورت کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے کہ جہادی نظم عملی طور پر شعبہ قتال سے متعلق ہونے کی بنا پر اپنی ہمتوں کا اصل میدان جہاد (قتال) کو بناتے ہیں۔ عملاً وابستہ ہونے کی وجہ سے انہیں قتال کی حقیقی اور واقعی ضروریات کا مکمل ادراک ہوتا ہے۔ دیگر شعبہ جات عموماً اسی اصل کو مضبوط کرنے کے لیے قائم کرتے ہیں جیسے میدان قتال میں اموال کی فراہمی، افراد کی تشکیل، خالص جہادی مسلمان بنانے کے لیے اور عملاً وابستہ کرنے کے لیے

ذہنی وفکری تربیت۔ اس کے علاوہ مستند علماء کی زیر نگرانی کام کرنے والے نظموں میں کامل دین پر عمل پیرا ہونے کے لیے دین کے تمام شعبوں کے احیا کی تڑپ دیکھی جاسکتی ہے جس میں مثال کے طور پر اپنی اصلاح کے لیے فکر مند ہونا اور دیگر مسلمانوں کو متوجہ کرنا، اصلاحی مجالس قائم کرنا، معروف معنوں میں باقاعدہ اصلاحی بیعت، تصوف اور ذکر اللہ کی مجالس کا قیام، تمام کارکنوں کی اصلاحی تربیت کے لیے مستند علما کی کتب کا مطالعہ لازمی قرار دینا، ہر ماہ عام لوگوں کے لیے بنیادی دینی مسائل سکھانے کا منظم طریقہ، نماز جیسے اہم فریضہ کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لیے ملک گیر اقامت صلوٰۃ مہم، دعوت جہاد، دورات تفسیر آیات جہاد کا سلسلہ، ادائیگی عشر وزکوٰۃ سمیت دیگر اجتماعی وانفرادی فرائض کی طرف عامۃ الناس کو متوجہ کرنے کی ملک گیر مہمات، زلزلہ زدگان اور متاثرین سوات جیسے ہزاروں بے سہارا و بے گھر افراد کی کفالت۔

ان جہادی نظموں کی خدمات کا وہ روشن باب ہے جس کا اعتراف جنرل پرویز مشرف جیسا لبرل (مجاہدین کش) لیڈر بھی کرتا رہا۔ مورخہ ۲۵ رجون ۲۰۰۹ء کو نوائے وقت لاہور کی خبر کے مطابق اقوام متحدہ اور واشنگٹن پوسٹ کے ایک گروپ کے مطابق اب تک کی رپورٹوں کے مطابق جہادی گروپ سوات متاثرین کی امداد میں سب سے آگے ہیں۔ اس کے علاوہ نکاح مسنون کو آسان اور سہل طریقہ پر کرنے کے لیے اداروں کی صورت میں خدمات اور اس جیسے دیگر اسلامی احکامات کی طرف عامۃ المسلمین کو متوجہ کرنا ان جہادی نظموں کی تاریخ کا حسین باب کہلائیں گے۔

تیسرے نمبر کے ضمن میں حافظ صاحب نے لکھا ہے کہ جب جہادی تحریکوں میں جہاد (قتال) کے طریقہ کار، منہج اور تطبیق کے حوالے سے اختلافات ہو جائیں تو اس کے باوجود وہ مجاہدین اور غازی کہلاتے ہیں۔ (الشریعہ مئی رجون ۲۰۰۹ء ص ۱۴۶)

اس عبارت میں حافظ صاحب نے بنیادی طور پر دو چیزیں لکھی ہیں:

(الف) اگر جہادی تحریکوں کے باہمی شدید اختلافات، اختلافی نظریات کے باوجود بھی وہ جہاد کر رہے ہیں تو ان کی (حافظ صاحب کی) مخالفت کیسے جہاد نہیں قرار دی جاسکتی؟ جواباً عرض خدمت ہے کہ اس حوالے سے سابقہ سطور کو مدنظر رکھنا ہی مفید ہوگا کہ کفار کے خلاف کفار کے مقبوضہ علاقوں میں جہاد کرنے والے تمام نظم باہمی اختلافات کے باوجود بہر حال جہاد کر رہے ہیں۔ یہ لوگ محض قلمی ٹارزن نہیں ہیں۔ (ہماری بحث سے مسلم ممالک میں برسر پیکار نوجوان خارج ہیں)۔ مقبوضہ مسلم علاقوں میں کفار کے خلاف لڑنے والی جماعتوں میں تمام تر نظریاتی وفکری اختلافات کے باوصف، طریقہ کار کے فرق کے باوجود ان کا اصل میدان قتال فی سبیل اللہ ہے نہ کہ تنقید کے نام پہ تنقیص۔

محترم بحث کے نام پر بے جا الزامات لگا کر بھی مجاہدین کی صف میں کھڑے نظر آنا چاہتے ہیں۔ اگر جناب کو فضائل جہاد اتنے اچھے لگتے ہیں (کہ ہر سطر میں وہ خود کو ان نظموں کے برابر جہاد کرنے والا باور کروانا چاہتے ہیں) اور قرآن کی آیات جہاد آنکھوں کے سامنے ہیں تو طریقہ یہ ہے کہ آیئے خود کو خطرات میں ڈالیے، گھر سے دور تشکیل، ایجنسیوں کا واچ اور نگرانی کے نام پر تنگ کرنا، اپنوں کے طعنے، ساتھیوں کی گرفتاری کا غم، پیاروں کی شہادت کا دکھ، اپنی گرفتاری کا خوف، ذمہ داریوں کے بکھیڑے، ہمہ وقت صرف لا الہ الا اللہ کا ویزا قرار دے کر باڈر کراس کرنے پر تیار، عملی میدان میں آگ و بارود کو سامنا، یہ تمغے سینے پر سجایئے، پھر اختلافی آرا دیجیے، بحث کیجیے، تنقید کا فرض ادا کیجیے اور خود کو مجاہد بھی کہلوایئے۔

(ب) زبیر صاحب کے مطابق جہادی تحریکوں کے اختلافات عامۃ الناس کے لیے کنفیوژن کا سبب ہیں کہ اگر سب

جہاد ہی کر رہے ہیں تو ان میں اتنے دھڑے کیوں ہیں اور عام آدمی کس تنظیم کے ساتھ مل کر جہاد کرے۔

حافظ صاحب نے اعتراض کے اس حصے میں ایک گھسا پٹا سوال کر کے چلے ہوئے کارتوس کو چلانے کی کوشش اور سعی کی ہے۔ گزارش ہے کہ اگر اختلاف کو بنیاد بنا کر یہی سوال کوئی مسلکی اختلافات کے بارے میں کرے یا مسلمانوں میں موجود متعدد طبقوں کے مختلف نظریات کو سامنے رکھ کر اس اختلاف کو سلام سے چھٹی کا عذر بنائے تو کیا اس کا یہ نقطہ نظر درست ہوگا؟ یا کوئی فلسفی انسانوں کے اختلافات بلکہ فسادات، قتل وغارت کو بنیاد بنا کر جانوروں کی کسی پرامن قسم میں جا پہنچے اور خود کو انہیں میں سے قرار دے تو کیا اس کا یہ عمل دیگر عقل انسانوں کے ہاں درست قرار دیا جائے گا؟

اگر اختلاف کی بنیاد پر اسلام سے نکل کر کفر میں جانا اور انسانیت سے نکل کر جانوروں میں جانا درست ہے تو فرمائیں۔ اور اگر درست نہیں اور یقیناً درست نہیں تو پھر جہادی تحریکوں کے اختلاف کی بنا پر ترک جہاد کیسے درست ہوگا؟ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ انسان ان مختلف لوگوں میں سے کس کے ساتھ ہو تو انسانوں کے اختلاف پر، مسلمانوں کے اختلاف پر جیسے عامی آدمی کرتا ہے، ویسے ہی یہاں بھی کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل کو استعمال کرے، مختلف نظموں کے حالات سے واقفیت پیدا کرے اور جس نظم کو معتبر علماء وا کابر کی تائیدات حاصل ہوں، اس نظم سے تعلق جوڑے۔

چوتھے نمبر کے ضمن میں حافظ صاحب رقم طراز ہیں کہ امریکہ، اسرائیل، انڈیا کے خلاف جہاد فرض عین ہے، لیکن کس پر؟ اس کے جواب میں خود ہی کہا ہے کہ حکمرانوں پر نہ عوام پر، بلکہ عوام پر پرامن طریقوں، جلسوں، مظاہروں کے ذریعے حکمرانوں کو مجبور کرنے کی ذمہ داری ہے یا عوام الناس کی اصلاح کی کوششوں میں معروف ہونے کی ذمہ داری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بعض نظموں کی مثال دے کر عدم تشدد پر مبنی جدوجہد کا سبق مجاہدین کو دینے کی کوشش کی ہے اور ساتھ ہی جہاد فرض عین کے فتاویٰ جاری کرنے والے علما پر پھبتی کسی ہے۔

ان سطور کے جواب کا ایک حصہ تو گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے۔ خلاصہ کے طور پر مکرر عرض ہے کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ اقدامی جہاد اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ از خود کفار پر حملہ آور ہو جس کے ترک پر حکمران گناہ گار ہیں۔ (بحوالہ حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۳۹) اگرچہ بعض مخصوص صورتوں میں نان اسٹیٹ ایکٹرز کی اقدامی کاروائیاں بھی حقیقی اقدامی جہاد کا حکم رکھتی ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں المبسوط للسرخسی، کتاب السیر، باب ما اصیب فی الغنیمۃ مما کان المشرکون اصابوہ من مال المسلم، ۱۰/۸۲ بحوالہ ماہنامہ الشریعہ نومبر ردسمبر ۲۰۰۸ء، ص ۳۷)

موجودہ حالات میں جن خطوں میں جہاد ہو رہا ہے، وہ دفاعی ہیں نہ کہ اقدامی۔ ان عبارات سے واضح معلوم ہو رہا ہے، کہ دفاع کی ذمہ داری (اگرچہ اولاً حکمرانوں کی ہے) عام لوگوں کی بھی ہے۔ فقہاء کی عبارات میں "فان ھجم العدو وجب علی جمیع المسلمین الدفع" کے الفاظ ہیں کہ کافروں کے حملے کی صورت میں تمام مسلمانوں پر سرزمین اسلام کا دفاع اور دشمن کا روکنا فرض ہے، جیسا کہ راقم مذکورہ بالا سطور میں امام ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن عابدینؒ کی عبارات سے کافی وضاحت کر چکا ہے، بلکہ یہ الفاظ بھی فقہی کتابوں میں نمایاں ہیں کہ "تخرج المراۃ بغیر اذن زوجھا، والعبد بغیر اذن المولی" کہ ایسے حالات میں عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر نکلیں گے۔

فقہاء کرام جس فرض پر علی جمیع المسلمین کے واضح الفاظ لا رہے ہیں اور ابن تیمیہ "فلا یشترط لہ

شرط" فرمارہے ہیں، حافظ صاحب اس کو "ہمارے نزدیک یہ گورنمنٹ کی ذمہ داری ہے" کہہ کر بغیر ثبوت و دلیل اور حجت کے قرآن وسنت سے متصادم نظریہ پیش کر کے پھر منوانے پر مصر بھی ہیں۔ حکمرانوں کو فرائض ادائیگی کی طرف دعوت اور مختلف طریقوں سے ان کا قبلہ درست کرنے کی کوشش یقیناً علمائے کرام اور عوام کی ذمہ داری ہے، اس سے مفر نہیں اور جہادی نظموں سے منسلک افراد اس فریضے کی ادائیگی بھی بحمد اللہ کرتے ہیں اور اس کی بھاری قیمت بھی چکانا پڑتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حکمرانوں کی درستگی تک تعطل جہاد کا علم تھام لیا جائے۔ زبیر صاحب نے مجاہدین کو پرامن مظاہروں کی ترغیب دیتے ہوئے مفتیان کرام کے فتاویٰ کو ان کی نفسیاتی تسکین کی حد تک مقید کہا ہے تو جناب عرض ہے کہ ان مفتیان کرام (فنافی اللہ کا درجہ پانے والوں) کے فتاوی کی قوت آج بھی بطور مثال پیش کیے جانے والے مظاہروں سے سو فی صد زیادہ ظاہر اور نتیجہ خیز ہے۔

آپ کے ان مظاہروں سے، جلسوں سے قوم کو جو کچھ ملا، وہ اور اس کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔ جب کہ آپ کے مطعون علماء کے فتاویٰ کی روشنی میں جو قوت جہاد و مجاہدین کی شکل میں سامنے آئی، وہ ماضی اور حال میں دو سپر پاوروں کو مکمل شکست دینے کے بعد تیسری سپر پاور کو بھی شکست دینے کے قریب پہنچ چکی ہے۔ زبیر صاحب سر پھڑوانے کی مثالیں ان کو دے رہے ہیں جو ان راہوں پر چلتے چلتے جانیں تک لٹا رہے ہیں، جن پر یہ آیت صادق آتی ہے: "فمنهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر"۔

آخر میں دو باتوں کی طرف متوجہ کرنا مفید سمجھتا ہوں۔ ایک یہ کہ حافظ صاحب نے اپنی تحریر میں کسی دلیل شرعی اور حجت وثبوت کے بغیر "ہمارے نزدیک" کا لفظ استعمال کیا اور پھر اپنے قائم کردہ نظریہ پر کوئی حجت شرعی نہیں لا سکے۔ وہ مجاہدین کو اخلاص کے ساتھ علم سے مزین ہونے کا صائب مشورہ (اشارۃً) دیتے ہیں، لیکن خود "ہمارے نزدیک" جیسے جملے استعمال کر کے یوں سمجھ رہے ہیں جیسے یہ تحریر الشریعہ کے قارئین کے لیے نہیں بلکہ تصوف کے سلسلے کے مریدین کے لیے ہے۔ گزارش ہے کہ اپنے نظریات وافکار کو سند تصور کر کے لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے دلیل وحجت کی دنیا میں تشریف لائیں۔

دوسری بات کہ انہوں نے مجاہدین کو تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی اور تحریک نفاذ شریعت محمدی کے نہج پر کام کرنے کی دعوت دی ہے۔ وضاحت کے طور پر کچھ سطور تحریر کی جاتی ہیں کہ تنظیم اسلامی کے متعلق گذشتہ صفحات میں جو سطور آ چکی ہیں، وہی مجاہدین کے نظم اور تنظیم اسلامی کے درمیان موجود واضح فرق کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جہاں تک بات جماعت اسلامی اور تحریک نفاذ شریعت محمدی کی ہے (بعض جزوی اختلافات کے باوجود) یہ واضح ہونا چاہیے کہ یہ جماعتیں صرف قلمی جہاد اور دفتری اسلام کے قائل نہیں ہیں بلکہ دین کے تمام شعبوں پر عمل کی فکر کے ساتھ قربانیوں کی لازوال تاریخ رکھتی ہیں جن میں کشمیر وافغانستان کے پہاڑوں کی گواہیاں بھی موجود ہیں جو کہ حافظ صاحب کے مطابق درست نہیں۔ رہا تبلیغی جماعت کا معاملہ تو اب ان کی اکثریت ایک محدود نصاب تربیت کو کل دین تصور کرتی اور (مزعومہ مجہول درجہ کے) یقین کے حصول تک تعطل جہاد کی فکر رکھتی ہے جو الگ دردناک موضوع ہے۔ تبلیغی جماعت کی اصلاحی کوششوں اور ان کے مفید نتائج سے انکار نہیں، تاہم ان کی فکری بے اعتدالیوں کو علماء حق کی سوچ قرار نہیں دیا جا سکتا۔